لفظِ خودی: مفہوم اور توضیح

حسن رضا اقبالی

اقبال کے تصورِ خودی کی تشریح و توضیح اور ان کے فلسفہ خودی کی تعبیر و تفسیر کے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ خود اقبال نے بھی خودی اور اس کے بیشتر پہلوؤں پر مختلف انداز سے بار بار روشنی ڈالی ہے۔ یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ ان کا پیغام خودی کا پیام ہے اور ان کی شاعری خودی کا بیانیہ ہے۔ ہم میں سے ہر ایک نے لفظ خودی بارہا سنا بھی ہوگا اور پڑھا بھی ہوگا لیکن جہاں تک اس تصور کے فہم کی بات ہے تو اکثریت کے نزدیک یہ محض ایک شاعرانہ، انتہائی ثقیل فلسفیانہ، مابعد الطبیعیاتی قسم کا ایسا تصور ہے جو اپنی پُر اسرار نوعیت کی بدولت فقط انتہائی اونچے درجے کے علما اور حکما کے مطالعے اور تجزیے کے لیے ہی محدود ہے۔ عام پڑھے لکھے شخص یا طالب علم کے لیے اس کا فہم بڑی حد تک ناممکن تصور کیا جاتا ہے۔

مثنوی اسرار خودی کی اولین اشاعت کے دیباچے میں اقبال نے لفظ خودی کی وضاحت کی ہے۔ اس لیے ہم ان کے نظریہ خودی کو انہی معنوں میں سمجھیں گے جن میں انہوں نے اسے بیان کیا ہے۔

اقبال کے نزدیک خودی فلسفہ حیات ہے جو بعض عناصر خاص سے ترکیب پاتا ہے۔ اقبال کے نزدیک خودی کے اجزاء یہ ہیں:

(۱) مادہ (Matter): یہ چھوٹے چھوٹے ٹھوس اور جاندار اجزاء پر مشتمل ہے جو خلا یا کائنات میں پھیلے ہوتے ہیں۔

(۲) زندگی (Life): حیات کو علامہ حرکت قرار دیتے ہیں جو کہ ہر لمحہ آگے کی طرف بڑھتی ہے اور اپنے تجربات سے سیکھتی ہے۔

(۳) شعور (Consciouness): یہ حیات کا مظہر ہے اور زندگی کے لیے چراغ راہ کا کام کرتا ہے۔

اقبال کے نزدیک یہ تینوں چیزیں خودی کے اجزاء ہیں اور یہ انا (Ego) کو جنم دیتے ہیں۔ یہ تینوں ترتیب کے لحاظ سے طبیعیات (Physics) یعنی مادہ حیاتیات (Biology) یعنی زندگی اور نفسیات

(Psychology) یعنی شعور کے موضوعات مطالعہ ہیں۔ علامہ کے بقول قادر مطلق یعنی (اللہ تعالیٰ) بھی ایک انائے مطلق (Supreme Ego) ہے جس سے بہت سی انائیں (Egos)، (افراد) ظہور پذیر ہوتی ہیں جس طرح سورج سے کرنیں اور شعائیں پیدا ہوتی ہیں۔

خودی فارسی کا لفظ ہے جس کے لیے عربی میں لفظ ''نفس'' استعمال ہوا ہے وہ تمام وسعتیں جو 'خود' کے معنی میں ہیں وہ تمام تر لفظ نفس کے مفہوم میں پائی جاتی ہیں۔ دنیا میں بے شمار نفوس ہیں اور ہوتے رہیں گے جن کا تفرد اور تعین اُن کے خصوصی تشخصات کے ذریعے ہوتا ہے۔ کائنات کا ہر ذرہ دوسرے ذروں سے اپنی چند در چند داخلی و خارجی خصوصیات کے باعث ممتاز و مشخص ہے۔ ایک درخت میں لاکھوں پتیاں ہوتی ہیں لیکن اگر اُس کے ہر پتے کا مطالعہ نگاہ عمیق سے کیا جائے تو دوسرے اور پتوں سے ممیّز و ممتاز ہوگا۔ یہی وہ تفرد ہے جو خالق کی احدیت پر ایک عظیم دلیل ہے اور ہر ذرہ اپنے تفرد اور تشخص کے ذریعے اپنی خودی کا حامل ہے۔ مثال کے طور پر ہر شخص اپنے مقام پر اپنی چیزوں کو اپنی طرف نسبت دیتا ہے کہتا ہے میرا ہاتھ، میرا پاؤں، میرا سر، میرا بدن، میری روح، میرا نفس، میری حیات، میری موت، میری عزت، میرا مقام، میری ذلت وغیرہ وغیرہ۔ تو غور طلب یہ امر ہے کہ جب بدن میرا بدن ہے، جان میری جان ہے، نفس میرا نفس ہے تو پھر میں کیا ہوں؟ یہی وہ راز ہے جس کی تفہیم ہر صاحب عقل کے لیے ایک معمہ ہے۔ بس یہی 'میں' جسے انا اور Ego بھی کہا جاتا ہے مع اپنے تمام تر تشخصات و تعینات و ممیّزات کے، افراد میں 'جزوی اور شخصی خودی' ہے، اور انواع میں 'نوعی خودی' اور اجناس میں 'جنسی خودی' ہے۔ میں جب افراد کے مقابلہ میں اپنے آپ کو 'میں' کہتا ہوں اور اس وقت مجھے اپنے تمام تر تشخصات بھی ملحوظ ہوں تو اُس 'میں' سے میری 'شخصی خودی' مراد ہوتی ہے۔ اور جب بحیثیت انسان کے اور انواع کے مقابلہ میں لفظ 'میں' استعمال کرتا ہوں تو اُس سے میری 'نوعی خودی' مقصود ہوتی ہے۔ اور جب حیوان کے ایک فرد ہونے کے ناتے اور اجناس کے بالمقابل لفظ 'میں' استعمال کروں گا تو اس سے میری 'جنسی خودی' مراد ہوگی۔ اور جب مخلوقات عالم کے ایک فرد ہونے کی حیثیت سے 'میں' کہوں گا تو اس 'میں' سے وہ خودی مراد ہوگی جو کائنات کی ہر مخلوق کا جوہر ہے۔

بالفاظ دیگر خودی اپنے وجود کے اعتبار سے عین انائے مطلق ہے لیکن یہ انائے مطلق تعینات کے پردوں میں ظاہر ہونے کی وجہ سے قابلِ اشارہ ہوگئی ہے یعنی ہم اسے ''من وتو'' سے تعبیر کر سکتے ہیں یعنی جب وجود مطلق، جو حقیقت ہے، تعین کی وجہ سے معین ہو جاتا ہے تو اسے خودی یا من یا انا سے تعبیر کرنے لگتے ہیں۔ ان حقائق کو مدّ نظر رکھا جائے تو خودی کی منطقی تعریف یہ ہوگی ''الوجود المعین الشاعر لنفسہ'' یعنی خودی وہی وجود مطلق ہے لیکن معین ہوگیا ہے اور شعور ذات رکھتا ہے۔

خودی اصل کے اعتبار سے نور ہے، نور مطلق کا پرتو ہے۔ تعین کے لحاظ سے دیکھو تو نار ہے کیونکہ متعین

ہو جانے کی وجہ سے اس کی صلاحیتیں بھی پوشیدہ ہو جاتی ہیں۔ یعنی خودی اصل کے اعتبار سے نوری اور خواص کے اعتبار سے ناری ہے۔ جیسا کہ علامہ کہتے ہیں:

روح اسلام کی ہے ، نور خودی نار خودی
زندگانی کے لیے نار خودی نور و حضور[۱]

نور سے شانِ جمال، عشق، وحی، الہام یا وجدان مراد ہے، نار سے شانِ جلال، منطقی استدلال یا عقل مراد ہے۔

خودی را پیکر خاکی حجاب است
طلوع اُو را مثال آفتاب است[۲]

خودی کا نور انسان کے سینے میں مستور ہے اور پیکر خاکی اس نور کا حجاب ہے، یا یوں کہیے کہ اُن کی صلاحیتیں اس کے مادی پیکر کے اندر پوشیدہ ہیں۔ انسان کی صلاحیتیں جب تک جسم خاکی میں پوشیدہ ہیں انسان پر زندگی کی حقیقت نہیں کھل سکتی جب یہ صلاحیتیں بروئے کار آتی ہیں تو زندگی کی حقیقتیں اس طرح ایک ایک کر کے سامنے آتی ہیں جیسے طلوع آفتاب کے بعد زمین کا ذرہ ذرہ بیدار ہو جاتا ہے۔

اقبال نے اپنی تمام تر شعری و نثری تخلیقات میں خودی کے مفہوم کو مختلف طریقوں سے واضح کیا ہے کہیں اسے 'نقطۂ نوری' سے، کہیں 'شعور' کے روشن نقطے سے، کہیں 'پُراسرار شے' سے، کہیں 'انسانی کیفیتوں کا شیرازہ بند' سے کہیں 'خدا کے راز' سے، کہیں 'اسرار الٰہی' سے، کہیں 'موج' سے، کہیں 'گوہر' سے، کہیں 'تیغ اصیل' سے، کہیں 'بحرِ بے کراں' سے، کہیں 'نور و نار' سے، کہیں 'تلوار کی دھار' سے، کہیں 'بیداریٔ کائنات' سے، کہیں 'راز درون حیات' سے، کہیں اُسے 'مشت خاک میں آتش ہمہ سوز'' سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ صدہا طریقوں سے اظہار خیال کرنے کے باجود اقبال، خودی کا تعارف تو کراتے ہیں مگر منطقی تعریف کہیں نہیں کرتے۔ شاید اس لیے کہ زندگی اور کائنات کی عمیق ترین حقیقتوں کے انکشاف میں منطقی طرز استدلال سے بہت کم مدد ملتی ہے۔ پھر اس کا استعمال حقیقت تک پہنچنے کے بجائے بال کی کھال نکالنے کے لیے زیادہ کیا گیا ہے۔ خواہ وجہ کچھ بھی ہو یہ امر واقعہ ہے کہ اقبال نے خودی کو سمجھانے کے لیے منطق یا عقل کا سہارا نہیں لیا اور یہی روش ان کی باری تعالیٰ کے بارے میں بھی ہے۔ یہ عجیب بات کہ اقبال ''خدا'' اور ''خودی'' کی تفہیم کے سلسلہ میں منطقی یا عقلی طرز استدلال سے اعتنا نہیں کرتے۔ حق تعالیٰ کے وجود کو ثابت کرنے کے لیے انہوں نے اپنے خطبات تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ میں عقلی یا فلسفیانہ استدلالات کو مسترد کر دیا اور تمام تر زور اس حقیقت کی وضاحت پر صرف کیا کہ باری تعالیٰ یا ایک 'حقیقت کلی' تک رسائی ''وجدان'' کے ذریعے ہو سکتی ہے۔ تقریباً ایسا ہی طرز استدلال انہوں نے خودی کے اثبات یعنی وجود خودی کو ثابت کرنے میں اختیار کیا ہے۔ وہ یہاں

بھی عقلی استدلال یا ''منطقی تعریف'' سے گریز کرتے ہیں اور اس کے بجائے خودی کا تعارف اس انداز میں کراتے ہیں جیسے کوئی کسی ایسی چیز کا تعارف کروا رہا ہو جو جانی پہچانی ہو مگر ذرا ذہن سے اتر گئی ہو۔

اقبال نے خودی کے مفہوم، حدود اور امکانات کی وضاحت کے لیے استعاروں اور تشبیہوں کے جو سلسلے منتخب کیے ہیں ان کی اپنی اپنی خصوصیات ہیں۔ اس لیے اقبال نور و نار، موج و دریا، صدف و گوہر، تیغ و تلوار، صحرا و کوہ، صید و صیاد کے استعاروں کو استعمال میں لاتے ہیں۔ ان تشبیہوں اور استعاروں کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے مزاج کے اعتبار سے رفتار و نمو، وسعت و رفت، روانی و طغیانی، جگر کاوی و جان سپاری، نور افگنی و نور افشانی، شرر اندوزی و شعلہ افروزی، صحرا پیمائی و کوہ کنی کی علامتیں ہیں۔ اقبال نے مختلف موقعوں پر خودی کے الگ الگ (گو ایک دوسرے کے قریب قریب) معنی بیان کیے ہیں۔

مذکورہ الفاظ کے علاوہ اقبال نے جان، زندگی، من، نور اور روح کے الفاظ خودی کے مترادفات کے طور پر استعمال کیے ہیں۔ مثالیں حسب ذیل ہیں:

جان:

ہو صداقت کے لیے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکرِ خاکی میں جاں پیدا کرے[۳]

زندگی:

زندگی کی قوتِ پنہاں کو کر دے آشکار
تا یہ چنگاری فروغِ جاوداں پیدا کرے[۴]

من:

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن[۵]

روح:

بیا از من بگیر آں دیر سالہ
کہ بخشد روح یا خاک پیالہ![۶]

نور:

درونِ سینہ آدم چہ نور است
چہ نور است ایں کہ غیب اُو حضور است[۷]

علامہ نے ایک وضاحت میں کہا ہے کہ لفظ خودی بڑے تامل کے بعد اختیار کیا گیا تھا۔ ادبی نقطۂ نظر سے اس میں خامیاں ہیں اور اخلاقی اعتبار سے فارسی اور عربی دونوں زبانوں میں یہ برے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ 'من' (I) کے لیے دوسرے مابعدالطبعی الفاظ مثلاً انانیت، نفس، شخص، اور انا بھی ایسے ہی خراب ہیں۔ ضرورت ایک ایسے بے رنگ لفظ کی ہے جس کے ساتھ کوئی اخلاقی مفہوم وابستہ نہ ہو۔ اردو اور فارسی میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے۔ خودی کا لفظ میں نے شعری ضرورت کے تحت منتخب کیا اور فارسی میں 'من' (self) کی بے رنگ حقیقت کے لیے لفظ 'خودی' کے استعمال کی شہادت بھی ہے۔[۸]

حضرت علامہ نے اپنے لفظِ خودی کو بالتفصیل اور بالترتیب کہیں نہیں بیان کیا۔ منظومات میں اسرار خودی، رموز بے خودی، گلشن راز جدید اور ساقی نامہ میں ان کا ہلکا سا خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ اسرار خودی اور رموز بے خودی کے دیباچوں میں اور ڈاکٹر نکلسن کو اسرار خودی کے انگریزی ترجمے کے سلسلہ میں جو خط لکھا تھا اس میں فلسفہ کی بعض جزئیات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ لیکن ان میں تفصیلاتِ نظریہ کم ہیں۔

اقبال کے خطبات اور مراسلات کے علاوہ اسرار خودی کے مقدمہ (جو بعد کی اشاعتوں میں حذف کر دیا گیا) میں خودی کے مفہوم کے مبہم سے اشارات ملتے ہیں۔ اگر اُس کی روشنی میں متعلقہ کڑیوں کو جوڑا جائے تو خودی کے مفہوم کا جو نقشہ بنتا ہے اُس کی صورت کچھ اس طرح ہوگی۔ اسرار خودی کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

> یہ وحدتِ وجدانی یا شعور کا روشن نقطہ جس سے تمام انسانی تخیلات وجذبات وتمنیات مستنیر ہوتے ہیں، یہ پُراسرار شے، جو فطرت انسانی کی منتشر اور غیر محدود کیفیتوں کی شیرازہ بند ہے، یہ 'خودی' یا 'انا' یا 'میں' جو اپنے عمل کی رو سے ظاہر اور اپنی حقیقت کی رو سے مضمر ہے، یہ تمام مشاہدات کی خالق ہے مگر جس کی لطافت مشاہدہ گرم نگاہوں کی تاب نہیں لاسکتی، کیا ہے؟ کیا یہ ایک لازوال حقیقت ہے یا زندگی نے محض عارضی طور پر، اپنی فوری عملی اغراض کے حصول کی خاطر، اپنے آپ کو اس فریب تخیل یا دروغ مصلحت آمیز کی صورت میں نمایاں کیا ہے؟[۹]

حضرت علامہ نے مندرجہ بالا اقتباس میں خودی کا تعارف سوالیہ انداز میں کرایا ہے، اس کو ایجابی طریقہ پر اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے:

۱- خودی وحدت وجدانی یا شعور کا روشن نقطہ ہے۔

وحدت وجدانی کی ترکیب اقبال کی ایجاد کردہ ہے اور ان کی جودت طبع پر شاہد ہے۔ چونکہ 'وحدت وجدانی' ایک مغلق ترکیب ہے اس لیے اس کی وضاحت کی خاطر انہوں نے اسے شعور کے روشن نقطہ سے تعبیر کیا۔ خودی کو شعور کا روشن نقطہ قرار دینا بلاشبہ بہترین تعبیر ہے جو قدرت نے ان کے ذہن میں وارد کی۔

نقطہ نورے کہ نام او خودی است
زیر خاک ما شرار زندگی است

روشن نقطہ مترادف ہے نورانی کا، اور اس لفظ سے خودی کی ماہیت کا سراغ مل سکتا ہے یعنی یہ کہ اگر چہ خودی اپنی حقیقت کے لحاظ سے پردہ ابہام میں مستور ہے لیکن جب انسان کا وجدان یا شعور، تنویر باطنی سے منور ہو جاتا ہے تو اس کو خودی کا ایک گونہ ادراک حاصل ہو جاتا ہے۔ اس نکتے کی تفصیل آگے آئے گی۔

۲- اس سے تمام انسانی تخیلات و جذبات وتمنیات مستنیر ہوتے ہیں۔ یہ فطرت انسانی کی منتشر اور غیر محدود کیفیتوں کی شیرازہ بند ہے۔

یعنی اس کی بدولت انسان اپنے آپ کو ایک مستقل اور قائم بالذات وحدت یقین کرتا ہے، ہر روز اس پر صد ہا کیفیات وارد ہوتی ہیں، لیکن اس خودی کی بدولت وہ ان سب کیفیات کو ایک سلک میں منسلک کر سکتا ہے۔ جس طرح ایک کتاب میں صدہا اوراق ہوتے ہیں۔ لیکن شیرازہ بندی کی بدولت وہ اوراق ایک مستقل وحدت اختیار کر لیتے ہیں۔ خودی ہماری ذات کی باطنی کیفیات اور تمام خیالات کو ایک مرکزی نقطہ نوری پر لا کر متحد و مربوط بنا دیتی ہے اس لحاظ سے یہ ہماری مخفی طاقتوں کی شیرازہ بندی کرتی ہے۔ علامہ اپنے خطبات میں لکھتے ہیں:

> Consciousness is something single, presupposed in all mental life, and not bits of consciousness, mutually reporting to one another. [10]

۳- خودی ایک پُر اسرار شے ہے۔
یعنی اس کی حقیقت کا ادراک نہیں ہو سکتا۔

۴- یہ اپنے عمل کی رو سے ظاہر ہے۔
یعنی ہمارے اعمال اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ کوئی شے ضرور ہمارے اندر ایسی موجود ہے جو عامل ہے یا فاعل ہے۔

۵- خودی اپنی حقیقت کی رو سے پوشیدہ اور مضمر ہے۔
یعنی حواس خمسہ سے محسوس نہیں ہو سکتی اور نہ ہم عقل کی مدد سے اس حقیقت سے آگاہ ہو سکتے ہیں۔

۶- یہ تمام مشاہدات کی خالق ہے، مگر اس قدر لطیف ہے کہ خود مشاہدہ میں نہیں آسکتی۔
یعنی انسان اسی خودی کی بدولت اشیائے کائنات کا مشاہدہ کرتا ہے لیکن خود اپنی حقیقت کا مشاہدہ نہیں کر سکتا۔

حضرت اقبال نے اپنی شاعری کا بڑا حصہ مندرجہ بالا حقائق کی تشریح و توضیح کے لیے وقف کیا ہے۔ مذکورہ بالا نکات پر غور کرنے سے 'خودی' کا ایک جامع تصور سامنے آجاتا ہے۔ اقبال نے خودی کی روایتی منطقی تعریف کرنے کی بجائے اس کی ماہیت کو مختصر اور بلیغ انداز میں سمجھانے کی غرض سے اس کے خواص کا ذکر کیا ہے۔ ان پر ذرا گہری نظر ڈالیے تو آپ محسوس کریں گے کہ ان میں دو خواص بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ ایک تو یہ

کہ ''خودی وحدت وجدانی یعنی شعور کا روشن نقطہ ہے'' اسی کو انہوں نے اسرارِ خودی میں اس طرح بیان کیا ہے:

نقطہ نورے کہ نام او خودی است
زیر خاک ما شرار زندگی است[11]

دوسری خاصیت یہ ہے کہ شعور انسانی کا یہ نقطہ (خودی) انسان کی منتشر اور غیر محدود کیفیتوں کی شیرازہ بندی کرتا ہے۔ میرے خیال میں اقبال کے تصورِ خودی کا جوہر یہی دو نکات ہیں۔ سیدھے سادے الفاظ میں اقبال کا نظریہ یہ ہے کہ خالق کائنات نے انسان کے اندر لامحدود صلاحیتیں، بے پایاں طاقتیں اور پُر اسرار کیفیتیں پیدا کر رکھی ہیں۔ ان صلاحیتوں، طاقتوں اور کیفیتوں کو باہم ایک دوسرے سے پیوستہ رکھنے والی اور ان کو متحرک کرنے والی قوت خودی ہے۔

اگر یہاں حیاتیات کی اصطلاح مستعار لی جائے، تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ فرد کی خودی دراصل انسانی شعور کا مرکزہ ہے۔ حیاتیات کی رو سے انسانی جسم کی اکائی (یونٹ) خلیہ (Cell) ہے۔ ہمارا جسم متعدد خلیوں پر مشتمل ہے۔ صحت جسمانی کا انحصار ان ہی خلایا (Cells) کی صحت پر ہے۔ خلیہ میں کئی اجزا ہوتے ہیں، لیکن ان سب میں اہم مرکزہ (Neucleus) ہے جو خلیہ کے تمام حیاتی وظائف مثلاً تغذیہ، بالیدگی، اخراج، تنفس، تولید وغیرہ کو اپنے قابو میں رکھتا ہے اور ان کی تنظیم کرتا ہے۔ اس کے کنٹرول کے بغیر کوئی خلیہ اپنے ان وظائف سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا، حتیٰ کہ اگر کسی خلیہ کو مرکزہ سے محروم کر دیا جائے تو وہ بتدریج کمزور ہو کر مر جاتا ہے۔

ہمیں معلوم ہے کہ انسان صرف جسم ہی نہیں، ذہن اور جسم دونوں کا مجموعہ ہے۔ یہ بھی ہمیں معلوم ہے کہ ذہن انسانی میں شعور کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ یہی ہمارے احساسات، ادراکات، جذبات، تصورات، تخیلات اور دیگر مختلف اعمال و افعال کا منبع ہے۔ اقبال شعور کو وحدت وجدانی کہتے ہیں وہ شعور کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہیں، لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ شعور میں ایک روشن نقطہ (نقطہ نوری) ہوتا ہے اور یہی وہ نقطہ نوری ہے، جو شعور اور اس کے تمام وظائف کو کنٹرول کرتا ہے۔ اسی لیے وہ کہتے ہیں کہ اس نقطہ شعور سے ''تمام انسانی تخیلات و جذبات و تمنیات مستنیر ہوتے ہیں۔''

اور یہ بھی کہ شعور کا یہ نقطہ نوری ''فطرت انسانی کی منتشر اور غیر محدود کیفیتوں کا شیرازہ بند ہے۔''

حضرت اقبال کی ان تصریحات کو پیش نظر رکھا جائے تو ہم حیاتیات کی اصطلاح کو مستعار لیکر کہہ سکتے ہیں کہ 'خودی' درحقیقت انسانی شعور کا مرکزہ ہے۔ جسم انسانی میں، جو مقام خلایا کو حاصل ہے، وہی مقام ذہن انسانی میں شعور کو حاصل ہے اور خلیہ میں جو اہمیت مرکزہ کو حاصل ہے، وہی اہمیت شعور انسانی میں اس روشن نقطہ یعنی خودی کو حاصل ہے۔ مرکزہ، خلیہ کے تمام اعمال و افعال یا حیاتی وظائف کو کنٹرول کرتا ہے اور ان کی تنظیم کرتا ہے۔ اسی طرح یہ روشن نقطہ شعور انسانی کے تمام اعمال و افعال کو قابو میں رکھتا ہے۔ ان کی شیرازہ بندی

کرتا ہے۔ مرکزہ سے محرومی خلیہ کی موت کا باعث ہوتی ہے تو خودی سے محرومی شعور انسانی کی موت کے مترادف۔ مرکزہ زندہ ہے تو خلیہ بھی زندہ ہے، اسی طرح اگر خودی زندہ ہے، تو شعور بھی تابندہ و پائندہ ہے۔ خودی شعورِ انسانی کے لیے بمنزلہ 'مرکزہ' کے ہے۔

خلیہ کا مرکزہ (Neucleus) اور شعور کا مرکزہ (خودی) دونوں اپنے اندر سے انسان پر اثر انداز ہوتے ہیں، ایک جسم انسانی پر، دوسرا ذہن انسانی پر۔ دونوں کے مابین ایک فرق بھی ہے، اور وہ فرق یہ ہے کہ اول الذکر یعنی مرکزہ خلیہ کو ہم خورد بین کی مدد سے دیکھ سکتے ہیں، لیکن آخر الذکر یعنی شعور کے مرکزہ کو ہم اس طرح نہیں دیکھ سکتے۔ اسی لیے حضرت اقبال کہتے ہیں کہ:

'''خودی' یا 'انا' یا 'میں' اپنے عمل کی رو سے ظاہر اور اپنی حقیقت کی رو سے مضمر (پوشیدہ) ہے یہ تمام مشاہدات کی خالق ہے، مگر اس کی لطافت مشاہدہ کی گرم نگاہوں کی تاب نہیں لا سکتی۔''[۱۲]

مختصر یہ کہ خودی ''انا'' ہے ''انانیت'' نہیں۔ ''میں'' ہے۔ ''میں پن'' نہیں۔ یہ دراصل شعور کا مرکزہ یا روشن نقطہ ہے، جو فطرت کی طرف سے ودیعت کردہ انسانی صلاحیتوں، طاقتوں اور کیفیتوں کو اپنی گرفت (کنٹرول) میں رکھتا، ان کو منتشر و پراگندہ ہونے سے بچاتا اور انہیں مہمیز کرتا ہے۔ اسی لیے حضرت اقبال، بار بار اور مختلف انداز میں، خودی کی پرورش، تربیت، بیداری، تعمیر اور استحکام (بالفاظ دیگر اثبات خودی) پر زور دیتے ہیں۔ وہ بالِ جبریل میں کہتے ہیں:

خودی کا نشیمن ترے دل میں ہے
فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے[۱۳]

اس دیباچہ کے آخر میں اقبال نے ان معنوں پر روشنی ڈالی ہے جن میں خودی کے لفظ کو استعمال کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ

> شاعرانہ تخیل محض ایک ذریعہ ہے اس حقیقت کی طرف توجہ دلانے کا کہ لذت حیات 'انا' کی انفرادی حیثیت اور اس کے اثبات، استحکام اور توسیع سے وابستہ ہے۔ ہاں لفظ خودی کے متعلق ناظرین کو آگاہ کر دینا ضروری ہے کہ یہ لفظ اس نظم میں بمعنی غرور استعمال نہیں کیا گیا، جیسا کہ عام طور پر اُردو میں مستعمل ہے۔ اس کا مفہوم محض احساس نفس اور تعین ذات ہے۔[۱۴]

ہر شخص کے قوائے جسمانی اپنی فعالیت کے لحاظ سے ایک اضافی حیثیت رکھتے ہیں۔ لہٰذا ان کے دائرہ عمل کی وسعت بھی اضافی ہے۔ اقبال کے نزدیک:

زندگانی را بقا از مدعاست کاروانش را درا از مدعاست
زندگی در جستجو پوشیدہ است اصل او در آرزو پوشیدہ است

آرزو را در دل خود زندہ دار تا نگردد مشت خاک تو مزار[۱۵]

اس کے یہ معنی ہیں کہ جس دل میں کسی مدعا کی آرزو نہیں وہ دل زندگی کی حرارت سے محروم ہے اور جس انسان کا دل زندگی کی حرارت سے محروم ہو وہ زندگی کے باوجود مردہ ہے۔ دل کی حرارت آرزو پر منحصر ہے، اور آرزو جستجو کی محرک ہے، جستجو کی یہی سرگرمیاں جو ہر شخص کے قوائے فعالیہ کی استعداد پر منحصر ہوتی ہیں، انسان کی زندگی کا تعین کرتی ہیں، پس ہر شخص اپنی زندگی کا تعین ایک ہی مدعا کی جستجو سے نہیں کرسکتا۔ انہی امور کا تعین، تعین ذات ہے اور انہی محسوسات کا احساس، احساس نفس ہے۔

نقطہ نورے کہ نام او خودی است
زیر خاک ما شرار زندگی است[۱۶]

پس یہ نقطہ نور جس کی تجلیوں سے انسان پر اس کی ذات کے امکانات روشن ہو جاتے ہیں۔ اور زندگی کا یہ شرارہ جو اس کے نفس کو احساس سے گرما دیتا ہے۔ نہ تو غرور ہے، کیونکہ غرور کی بنیاد فقدان تعین ذات پر ہے۔ اور نہ اپنی استعداد سے کسی بالا تر مدعا کے حصول ہی کی آرزو، کیونکہ یہ چیز احساس نفس کے متضاد اور متخالف ہے۔ اقبال کی خودی عمل کا پیغام دیتی ہے۔ اقبال کی خودی انسان کو اپنی قوتوں سے آگاہ کرتی ہے، اور جب یہ خوابیدہ قوتیں بیدار ہو جاتی ہیں تو وہ اپنا میدان عمل خود تلاش کر لیتی ہیں، یہی جستجو اپنے مدعا کی تشکیل پر منتج ہوتی ہے، اور پھر یہی مدعا اس انسان کی زندگی کا مقصد بن جاتا ہے۔ یہی زندگی کا مقصد اقبال کے نزدیک زندگی ہے اور اس کے حصول کی کوشش زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے[۱۷]

ظاہر ہے کہ جو شخص اپنی استعداد ہی سے واقف نہیں، وہ اپنی خودی کے مقام کا تعین نہیں کرسکتا، اور جو شخص اپنی خودی کے مقام کے تعین سے قاصر ہو اس کی جستجو ایک تہمت ہے اور اس کا مدعا ایک افترا۔ عمل ہی سے زندگی کی تشکیل ہوتی ہے۔ عمل ہی زندگی کا اظہار ہے۔ مگر عمل قویٰ کی استعداد پر منحصر ہے۔ اور استعداد کا تعین، تعین ذات ہے۔ جس کو اقبال نے خودی کے نام سے موسوم کیا۔

حوالہ جات وحواشی

۱- محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال اردو، اقبال اکادمی، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۵۴۳۔

۲- محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال فارسی، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۵۵۳۔

۳- محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال اردو، اقبال اکادمی، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۲۸۸۔

۴- ایضاً، ص ۲۸۹۔

۵- ایضاً، ص ۳۶۷۔

۶- محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال فارسی، ص ۱۰۱۴۔

۷- ایضاً، ص ۵۴۰۔

۸- محمد اقبال، علامہ، کلیات مکاتیب اقبال، مظفر حسین برنی (مرتب)، اردو اکادمی، دہلی، بھارت، جلد اول، ص ۵۰۵-۵۰۶۔

۹- شائستہ خاں (مرتبہ)، اسرارِ خودی (فراموش شدہ ایڈیشن)، نئی دہلی، مکتبہ جامعہ، ۱۹۹۲ء، ص ۸، جہاں دوسرے ایڈیشن کے سرورق کا عکس دیا گیا ہے۔

10- Muhammad Iqbal, *The Reconstruction of Religious Thought in Islam*, Muhammad Ashraf, Lahore, 1960, p.81

۱۱- محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال فارسی، ص ۱۸۔

۱۲- اسرارِ خودی (فراموش شدہ ایڈیشن) مرتبہ شائستہ خاں (نئی دہلی: مکتبہ جامعہ، ۱۹۹۲ء)، ص ۹، جہاں دوسرے ایڈیشن کے سرورق کا عکس دیا گیا ہے۔

۱۳- محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال اردو، ص ۴۵۶۔

۱۴- اسرارِ خودی (فراموش شدہ ایڈیشن) مرتبہ شائستہ خاں (نئی دہلی: مکتبہ جامعہ، ۱۹۹۲ء)، ص ۱۰، جہاں دوسرے ایڈیشن کے سرورق کا عکس دیا گیا ہے۔

۱۵- محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال فارسی، ص ۱۵۔

۱۶- محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال فارسی، ص ۱۸۔

۱۷- محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال اردو، ص ۳۰۵۔